عراقی تابعین کی حجازی صحابہ سے روایتِ حدیث: تجزیاتی مطالعہ

حافظ مبشر حسین ٭

نبی کریم ﷺ کی ذات دین و شریعت کا مرجع تھی۔ قرآن مجید وحیِ جلی کی حیثیت میں آپ پر نازل ہوا، اور وحی خفی کی روشنی میں آپ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے اس کی تشریح و توضیح فرمائی۔ پھر آپ ﷺ کے صحابہ کے توسط سے یہ دین آگے امت کو منتقل ہوا۔ صحابہ کرام صرف حجاز (مدینہ و مکہ) ہی میں نہیں رہے، بلکہ حجاز سے باہر مصر، شام اور عراق وغیرہ میں بھی ان کی ایک بڑی تعداد آباد ہوئی اور یوں ان کے ذریعے دین و شریعت کا علم حجاز سے باہر بھی دور دراز کے علاقوں تک پھیلتا چلا گیا۔ دین کی بنیادی باتوں یا مسلمات سے تو اکثر و بیشتر صحابہ کرامؓ بہ خوبی واقف تھے مگر فروعیات و جزئیات کا علم سب کے پاس یکساں نہیں تھا، چناں چہ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، جیسے صحابہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وغرہ کے مابین ایک تفاوت پایا جاتا ہے۔[1] عقل و فہم کے اعتبار سے لوگوں میں تفاوت اور فرقِ مراتب کا پایا جانا ایک فطری بات ہے اور ظاہر ہے یہ چیز صحابہ کے ہاں بھی موجود تھی، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ[2] فرماتے ہیں:

> نبی کریم ﷺ سے دین کا علم اخذ کرنے کے سلسلے میں کچھ صحابہ دوسروں کی نسبت زیادہ نمایاں خصوصیت رکھتے ہیں، مثلاً جیسے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبد الرحمن بن عوف، سعد، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابن مسعود، بلال، عمار بن یاسر، ابوذر، سلمان، ابودرداء، ابوایوب، عبادہ بن صامت، حذیفہ، ابوطلحہ رضی اللہ عنہم اور انھی کی

٭ اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

۱- بعض حنفی اصولیوں نے صحابہ سے اخذ روایت کے سلسلے میں حفظ اور فہم کے اعتبار سے اسی لیے درجہ بندی کی ہے، دیکھیے: ابو بکر محمد بن احمد السرخسی، أصول السرخسي (بیروت: دار المعرفة،۱۹۹۷ء)،۱: ۳۵۰-۳۵۱۔

۲- امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن عبد الحلیم (م ۷۲۸ھ)، آٹھویں صدی ہجری کے معروف حنبلی فقیہ ہیں اور شیخ الاسلام کے لقب سے معروف ہیں اور بہت سی معرکہ آرا کتب کے مصنف ہیں۔ خیر الدین بن محمود بن محمد الزرکلی، (م ۱۳۹۶ھ)، الإعلام (بیروت: دار العلم للملايين،)، ۱:۱۴۴۔

طرح وہ مہاجر اور انصار صحابہ جنھیں السابقون الأولون کا درجہ ملا۔ نبی کریم ﷺ کے یہ صحابہ (دین کی تبلیغ و روایت کے لحاظ سے) دیگر صحابہ کے مقابلے میں آپ ﷺ کے ساتھ زیادہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، البتہ ان میں بھی بعض صحابہ حفظ اور تفقہ کے اعتبار سے دوسروں سے آگے ہیں۔[۳]

نیز ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے جن کے فتاویٰ محفوظ ہوئے ہیں، وہ مرد و خواتین سمیت ایک سو تیس سے کچھ زائد ہیں اور ان میں سے جن کا شمار کثرتِ فتاویٰ والے اصحاب کی حیثیت سے ہوتا ہے وہ صرف سات ہیں، یعنی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔"[۴]

جن علاقوں میں ان کبار صحابہ نے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری کیا اور ان کے اصحاب و تلامذہ (یعنی علماے تابعین) نے شہرت پائی، وہاں ان کی اور ان کے علاقے کی نسبت سے مختلف فقہی حلقے قائم ہو گئے جنھیں فقہی مدارس بھی کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مکہ، مدینہ، شام، بصرہ اور کوفہ کے مدارس نے زیادہ شہرت پائی اور

۳- احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، **منهاج السنة** (مؤسسة قرطبة،۱۴۰۶ھ)،۷: ۳۰۵۔ نیز آپ نے ابن حزم کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ فہم و استنباط کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ (متعلقہ عبارت یہ ہے: وَأَيْنَ تَقَعُ فَتَاوَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَتَفْسِيرُهُ وَاسْتِنْبَاطُهُ مِنْ فَتَاوَى أَبِي هُرَيْرَةَ وَتَفْسِيرِهِ؟ وَأَبُو هُرَيْرَةَ أَحْفَظُ مِنْهُ؛ بَلْ هُوَ حَافِظُ الْأُمَّةِ عَلَى الْإِطْلَاقِ، يُؤَدِّي الْحَدِيثَ كَمَا سَمِعَهُ وَيَدْرُسُهُ بِاللَّيْلِ دَرْسًا ؛ فَكَانَتْ هِمَّتُهُ مَصْرُوفَةً إِلَى الْحِفْظِ وَتَبْلِيغِ مَا حَفِظَهُ كَمَا سَمِعَهُ وَهِمَّةُ ابْنِ عَبَّاسٍ: مَصْرُوفَةٌ إِلَى التَّفَقُّهِ وَالِاسْتِنْبَاطِ وَتَفْجِيرِ النُّصُوصِ وَشَقِّ الْأَنْهَارِ مِنْهَا وَاسْتِخْرَاجِ كُنُوزِهَا. (ابن عباس کے فتاوی، تفسیر اور ان کے استنباط کا ابوہریرہ اور ان کی تفسیر سے کیا تعلق؟ ابوہریرہ ان سے بڑے حافظ ہیں بلکہ وہ علی الاطلاق حافظ الامت ہیں۔ حدیث کو ویسے ہی روایت کرتے ہیں جیسے اس کو سنا تھا اور رات کو اسے پڑھاتے تھے / پختہ کرتے تھے۔ اس لیے آپ کی مصروفیت، حفظ حدیث اور اس کی اشاعت پر مرکوز تھی، جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تفقہ، استنباط، نصوص کے سوتوں کو کھود کر ان سے نہریں جاری کرنے اور ان سے خزانے نکالنے میں مشغول رہتے تھے۔) (**مجموع الفتاویٰ** (دار الوفاء، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵م)، ۴: ۹۴)۔

۴- دیکھیے: محمد بن ابی بکر ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ، **إعلام الموقعين عن رب العالمين** (قاہرہ: مكتبه الكليات الأزهرية،۱۹۶۸ء)، ۱: ۱۲۔

مجموعی طور پر انھی سے دین و شریعت کا علم آگے منتقل ہوا، باقی مدارس یا تو انھی میں جذب ہو کر رہ گئے یا پھر گردش ایام کی نذر ہو گئے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "یہ پانچ شہر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام ہی ہیں جن سے علوم نبوت یعنی ایمانی، قرآنی اور شرعی علوم نکلے ہیں"۔ (۵) اسی طرح ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان فقہی مدارس کی فہرست کو محدود کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس امت میں دین، فقہ اور علم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے ذریعے سے پھیلا ہے۔ عامۃ الناس نے انھی چار صحابہ کے ساتھیوں سے علم حاصل کیا ہے۔ اہل مدینہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے علم حاصل کیا۔ اہل مکہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور اہل عراق نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے۔ (٦)

مکہ اور مدینہ کے مدارس کے اکثر اساتذہ کے فکری منہج کے ایک ہونے کی وجہ سے ان میں بہت زیادہ فقہی اختلاف نہیں تھا، اس لیے ان دونوں کے لیے مدرسة الحجاز اور کوفہ اور اس کے گرد و نواح کے لیے مدرسة العراق کی اصطلاح معروف ہو گئی۔ اور مختلف وجوہات کے پیش نظر دیگر تمام مدارس کی نسبت صرف حجاز اور عراق کے ان مدارس کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ (٧)

حجاز (مکہ و مدینہ) کے مدرسے کی اہمیت کے لیے تو یہی بات کافی ہے کہ مدینہ ہبطِ وحی تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک یہیں قیام فرما رہے۔ پھر خلفاے راشدین نے بھی اسے ہی دار الخلافہ بنائے رکھا، سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنھوں نے بعد میں کوفہ کو دار الخلافہ بنا لیا اور مکہ مکرمہ بیت اللہ کی وجہ سے لوگوں کے لیے ہمیشہ سے ایک روحانی تقدس گاہ کی حیثیت رکھتا چلا آیا تھا، چناں چہ یہاں صحابہ اور ان کی آل و اولاد کے ایک بڑی تعداد میں آباد ہونے کی وجہ سے دین کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا اور دوسری طرف مکہ سے باہر آباد ہونے والے صحابہ و تابعین کا حج و عمرہ وغیرہ کے سلسلے میں وہاں آنا جانا اور علمی تبادلۂ خیال کرتے رہنا

٥- ابن تیمیہ، مصدرِ سابق، ٧: ٣٨٦؛ متعلقہ عبارت یہ ہے: فهذه الأمصار الخمسة الحجازان و العراقان و الشام هي التي خرج منها علوم النبوة من العلوم الإيمانية و القرآنية و الشريعة.

٦- ابن القیم، مصدرِ سابق، ا: ١٢۔

٧- تاریخ فقہ / تشریع اسلامی پر لکھنے والے تمام اہل علم نے اس بات کا اظہار کیا ہے، نیز دیکھیے: ابن خلدون، **مقدمہ** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، س ن)، ا: ٤٤٧- ٤٤٨۔

بھی اس کی اہمیت میں مسلسل اضافہ کرتا رہا، تاہم اس سے بعض اہلِ علم بالخصوص ابن خلدون کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ حجاز کے مقابلے میں دوسرے علاقوں بالخصوص عراق میں حدیث کا ذخیرہ کم پہنچا اور انھوں نے اسی لیے قیاس کو زیادہ استعمال کیا اور اہل الرائے کے لقب سے معروف ہو گئے،[۸] حالاں کہ عراق میں احکامی

۸- ابن خلدون، نفسِ مصدر، متعلقہ عبارت یہ ہے: هذا مع أن أهل الحجاز أكثر رواية للحديث من أهل العراق، لأن المدينة دار الهجرة ومأوى الصحابة. (اس کے ساتھ ساتھ یہ وجہ بھی ہے کہ اہل حجاز نے اہل عراق سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں کیوں کہ مدینہ دار الہجرت اور صحابہ کرامؓ کی جائے قرار تھا۔) (ابن خلدون کی یہاں تک عبارت اسی غلط فہمی کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، لیکن اگر اس سے آگے کی عبارت پر غور کیا جائے تو ان کی اس غلط فہمی کی خود انھیں کی عبارت سے تردید ہو جاتی ہے)، ومن انتقل منهم إلى العراق كان شغلهم بالجهاد أكثر، والإمام أبوحنيفة إنما قلّت روايته لما شدّد في شروط الرواية والتحمل، وضعف رواية الحديث اليقيني إذا عارضها الفعل النفسي وقلّت من أجلها روايته فقلّ حديثه. (ان میں سے جو اصحاب عراق چلے گئے وہ اکثر و بیشتر جہاد میں مصروف رہتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے شروط و تحمل روایت کے ضابطے بہت کڑے تھے یہاں تک کہ وہ یقینی حدیث کو بھی ضعیف قرار دے دیتے اگر ذاتی فعل اس سے متعارض ہوتا۔ اسی بنا پر انہوں نے کم روایت کیا جس سے نتیجتاً ان کی احادیث کی تعداد بھی کم ہو گئی ہے۔) (اس عبارت سے اگلی عبارت میں آپ نے امام ابو حنیفہ کے حدیث میں بلند مقام کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔ لا أنه ترك رواية الحديث متعمدا، فحاشاه من ذلك. ويدل على أنه من كبار المجتهدين في علم الحديث اعتماد مذهبه بينهم، والتعويل عليه واعتباره ردًا وقبولا. وأما غيره من المحدثين، وهم الجمهور، فتوسعوا في الشروط وكثر حديثهم، والكل عن اجتهاد. وقد توسع أصحابه من بعده في الشروط وكثرت روايتهم وروى الطحاوى فاكثر. (اس کا مطلب خدانخواستہ یہ نہیں کہ امام نے جان بوجھ کر روایت حدیث کو ترک کیا۔ اس بات کی دلیل کہ آپ کا شمار علم حدیث کے ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے، یہ ہے کہ لوگ آپ کے مذہب پر اعتماد اور بھروسے کا اظہار کرتے ہیں اور کسی بات کے ردّ و قبول کے حوالے سے آپ کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس جمہور محدثین نے اپنی شروط کو قدرے نرم رکھا جس کے سبب ان کی احادیث کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ ہر ایک نے اجتہاد کے موافق عمل کیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے اصحاب نے بھی شروط حدیث میں نرمی کی جس کے نتیجے میں ان کی روایات کی تعداد بھی زیادہ ہے جیسا کہ طحاوی کی مثال ہے۔) (لیکن اس سے آگے ابن خلدون نے پھر اپنی غلط فہمی کو اس طرح دہرایا ہے) : وانقسم الفقه فيهم إلى طريقتين: طريقة أهل الرأي والقياس،

احادیث کسی طرح بھی حجاز سے کم نہیں تھیں، کیوں کہ عراقی تابعین نے حجازی صحابہ سے اسی طرح حدیث کو اخذ وروایت کیاہے جس طرح حجازی تابعین نے کیاہے۔ (۹)

کوفہ (عراق) میں علم حدیث

وهم أهل العراق، وطريقة أهل الحديث، وهم أهل الحجاز. وكان الحديث قليلًا في أهل العراق كما قدمناه، فاستكثروا من القياس ومهروا فيه، فلذلك قيل أهل الرأي. (فقہِ اسلامی کے دو اسالیب اہل علم میں معروف ہوئے، ایک کو اہل رائے اور قیاس کا اسلوب کہا جاتا ہے اور یہ عراقی فقہاہیں جب کہ دوسرے کو اہل حدیث کا اسلوب کہا جاتا ہے۔ عراق میں حدیث کم تھی جیسا کہ پیچھے ہم نے ذکر کیا ہے، اور اسی لیے یہ قیاس کو زیادہ استعمال میں لاتے اور اس میں انہوں نے مہارت حاصل کر لی اور اس وجہ سے انہیں اہل رائے کا نام دیا گیا۔) (ابن خلدون، نفسِ مصدر) مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ عراق میں حدیث کا بڑا ذخیرہ منتقل ہوا ہے جو امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کی نگاہ میں تھا، مگر انھوں نے اس میں سے صرف اسی قدر احادیث سے استدلال کیا جو صحت واستناد کے بارے میں ان کے قائم کردہ اصولوں پر پورا اترتی تھیں اور جو احادیث ان کے معیار صحت پر پورا نہیں اترتی تھیں ان کی جگہ وہ یقیناً رائے (قیاس / اجتہاد) سے کام لیتے تھے اور یہ ایسے ہی تھا جیسے اہل حجاز ان پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرتے تھے جن کے بارے میں ان کے پاس ان کے قائم کردہ معیار صحت کے مطابق احادیث موجود نہیں ہوتی تھیں۔ اس بنیاد پر رائے / قیاس کا استعمال دونوں حلقوں میں موجود تھا، البتہ عراق کی تمدنی و ثقافتی زندگی میں پیش آمدہ مسائل (حوادث و مستجدات) کی کثرت انھیں رائے / اجتہاد کی کثرت پر مجبور کرتی تھی (اور یہی چیز انھیں فقہ تقدیری کے رجحان تک بھی لے گئی) جس کی وجہ سے وہ معاصر علمی حلقوں میں اہل الرائے کے لقب سے معروف ہوئے، جب کہ حجاز کی سادہ زندگی میں یہ صورت حال پیدا نہ ہوئی اور نہ رائے ہی کا استعمال کثرت سے ہوا۔ اس لیے عراقیوں کی نسبت انھیں اہل الاثر / اہل الحدیث کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ تفصیل کے لیے معاصر عرب محققین کی کتب ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، مثلاً: ڈاکٹر ابو بکر اسماعیل محمد المیقا کی، **الرأي و أثره في مدرسة المدينة** (بیروت:مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۵ء)؛ ڈاکٹر محمد البلتاجی کی، **مناهج التشريع الإسلامي في القرن الثاني الهجري** (ریاض: جامعة الإمام محمد بن سعود، ۱۹۷۷ء) ؛ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کی، **تاريخ الفقه الإسلامي** (قاہرہ: دار المعرفة، ۱۹۶۴ء)؛ اور عبد المجید محمود کی **الاتجاهات الفقهية عند أصحاب الحديث في القرن الثالث الهجري** (قاہرہ:مكتبة الخانجي،۱۹۷۹ء) اور ابو زہرہ کی ائمہ سے متعلقہ کتب۔

۹- زیر نظر مقالے میں اصحاب ابن مسعود کے حجازی صحابہ سے حدیث کے اخذ و روایت کی مثالوں کے ذریعے ابن خلدون وغیرہ کی اس غلط فہمی کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کوفہ میں حدیث کا علم ایک تو ان صحابہ کے ذریعے پھیلا جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر یہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دینے کے لیے متعین فرمایا تھا، جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ، فقیہ اور صاحب علم صحابی بھی تھے جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا معلم اور وزیر بنا کر بھیجا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں: "میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ(۱۰) کو تمھارا امیر اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وزیر اور معلم بنا کر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منتخب ساتھیوں اور بدری صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی اقتدا اور اطاعت کرو اور یاد رکھو کہ میں نے عبد اللہؓ کے معاملے میں تمھیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔"(۱۱) اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات سے اتفاق فرماتے ہیں کہ کوفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کو دین کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا۔(۱۲) ان کے علاوہ کوفہ میں دین کا علم ان صحابہ کے ذریعے بھی پھیلا جو یہاں کچھ عرصے کے لیے یا ہمیشہ کے لیے آباد ہو گئے تھے اور اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کیا جا سکتا کہ کوفہ میں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد اپنے اہل خانہ کے ساتھ آباد ہوئی، جیسا کہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ(۱۳) لکھتے ہیں کہ کوفہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک بڑی تعداد آباد ہوئی۔(۱۴) اور ان میں سے حضرت عبد اللہ

۱۰- حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر اولین اسلام قبول کرنے والے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ سے تابعین کے علاوہ بعض جلیل القدر صحابہ مثلاً ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، ابن عباسؓ وغیرہ نے بھی کئی ایک احادیث کی روایت کی ہے۔ آپ ۹۳ سال کی عمر میں جنگ صفین میں سن ۸۷ ہجری کو شہید ہوئے۔ دیکھیے: احمد بن علی ابن حجر، (م ۸۵۲ھ)، **الإصابة في تمييز الصحابة** (بیروت: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ)، ۴: ۵۷۵۔

۱۱- محمد بن سعد بن منیع ابن سعد (م ۲۳۰ھ)، کتاب **الطبقات الکبیر** (بیروت: دار الصادر، س ن)، ۶: ۸، ۱۲، ۱۷؛ نیز دیکھیے: محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (م ۷۴۸ھ)، **تذكرة الحفاظ** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۸ء)، ۱: ۱۶۔

۱۲- ابن تیمیہؒ، مصدرِ سابق، ۷: ۵۲۸۔

۱۳- محمد بن عبد الرحمن بن محمد امام سخاوی، (م ۹۰۲ھ) معروف شافعی فقیہ اور **صحيح البخاري** کی شرح **فتح الباري** کے مؤلف حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں اور اپنے وقت کے مؤرخ اور معروف محدث تھے۔ زرکلی، ۶: ۱۹۴۔

۱۴- محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوی، (م ۹۰۲ھ)، **الإعلان بالتوبيخ لمن ذم التاريخ** (بغداد: ۱۳۸۲ھ)، ۹۲۔

بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہاں ایک وسیع علمی حلقہ قائم کیا اور ان کے اصحاب و تلامذہ نے بھرپور طریقے سے ان سے اور کوفہ میں آنے والے دیگر صحابہ سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کیا اور اسے آگے منتقل کیا۔ کوفہ کے اس علمی حلقے کے لوگ دیگر صحابہ کے مقابلے میں اپنے ہاں وارد ہونے والے صحابہ کو معاصرانہ علمی منافست یا طبعی میلان کی وجہ سے علم و فقہ میں اگرچہ دوسرے صحابہ پر فائق قرار دیتے تھے،[۱۵] مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین و شریعت کا سارا علم اور سارا ذخیرۂ حدیث کوفہ میں وارد ہونے والے صحابہ کی ذات میں جمع ہو چکا تھا اور کوئی جزئیہ یا حدیث یا غیر کوفی صحابہ کے آثار و آرا میں سے کوئی چیز ان سے مخفی نہیں رہی تھی اور نہ ہی کوفہ کے سبھی لوگ اس گھمنڈ کا شکار ہوئے تھے، چناں چہ یہی وجہ ہے کہ اہل کوفہ علم کے حصول کے لیے مکہ و مدینہ جیسے مراکز دین کے، جن کی حرمت و تقدیس خیر القرون کے لوگوں کے دلوں میں یقیناً بہت زیادہ تھی، دیگر کبار علماے صحابہ، جن سے علم و فکر کے حلقے قائم ہوئے، کے ہاں بھی حاضری دیا کرتے تھے اور حج و عمرہ کے لیے حجاز کا سفر تو مسلسل جاری رہتا تھا، چناں چہ اس طرح ان غیر کوفی صحابہ کرامؓ کے پاس جو علم تھا، وہ بھی کسی نہ کسی درجے میں کوفہ کے لوگوں تک یقیناً پہنچتا رہتا تھا۔

خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ جب آپ مدینہ جاتے تو کوفہ میں پیش آنے والے بعض ایسے مسائل کے بارے میں، جو غالباً انھوں نے از راہ اجتہاد بیان کیے ہوتے، مدینہ کے اہل علم صحابہ سے تبادلۂ خیال کرتے، اگر اس میں انھیں اپنی راے کے خلاف کوئی اور قوی بات معلوم ہوتی تو وہ نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ راے سے رجوع کر لیتے بلکہ جب واپس کوفہ جاتے تو گھر جانے سے پہلے اس نئی راے کے بارے میں ان لوگوں کو مطلع کرتے جنھیں آپ نے پہلے کوئی اور راے یا فتویٰ دیا تھا۔[۱۶] اس

۱۵- جیسا کہ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا علم چھ صحابہ میں جمع ہو گیا ہے یعنی علی، عبد اللہ، عمر، زید بن ثابت، ابو درداء اور ابی بن کعب میں۔ اور جب میں نے ان میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا علم حضرت عبد اللہ اور حضرت علی کی ذات میں جمع ہو گیا ہے۔ (دیکھیے: ابن القیم، **إعلام الموقعین**، ۱: ۱۶؛ نیز ابن سعد، **الطبقات**، ۶: ۱۱)۔ اسی طرح عامر شعبی کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ میں سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا ہے۔ (ابن سعد، مصدرِ سابق، ج ۶، ص ۱۰)۔ یقیناً اس طرح کے بیانات میں افراط و تفریط معاصرانہ منافست کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔

۱۶- قاضی عیاض بن موسیٰ (م ۵۴۴ھ)، **ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفة أعیان مذهب مالک**، (مغرب: وزارت اوقاف، س ن)، ۱: ۳۹۔

طرح غیر کوفی صحابہ کرامؓ کے پاس جو اضافی حدیث یا معقول علمی راے ہوتی، وہ کوفہ کے لوگوں تک بھی پہنچ جاتی۔ ذیل میں اس دعوے کے اثبات میں مزید چند نمایاں مثالیں ذکر کی جائیں گی۔ اس مقصد کے لیے ان صحابہ کرامؓ کو پیش نظر رکھا گیا ہے جن سے بلادِ اسلامیہ میں علم و فکر کے چشمے پھوٹے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم کوفہ میں

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے، کبار علماے صحابہ میں سے تھے مگر اس کے باوجود وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تفقہ سے بہت متاثر تھے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلا اختلاف کبار علما و فقہاے صحابہ میں سے تھے اور حجاز میں جن صحابہ سے علم پھیلا، ان میں سے ایک نمایاں شخصیت آپ ہی ہیں۔[۱۷] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میرا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کل علم کا نوے فیصد موجود ہے۔“ نیز آپ نے فرمایا: ”اگر عمر رضی اللہ عنہ کا علم ایک ترازو میں رکھا جائے اور دوسرے ترازو میں باقی سب کا علم رکھا جائے تو عمرؓ والا ترازو بھاری رہے گا“۔[۱۸]

جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس حد تک متاثر تھے، تو ظاہر ہے کوفہ منتقل ہونے کے بعد بھی جب کبھی آپ حج و عمرہ وغیرہ کے سلسلے میں حجاز جاتے ہوں گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نئے فتاویٰ کے بارے میں ضرور معلومات حاصل کرتے ہوں گے۔ اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جو لوگ حج و عمرہ کے لیے حجاز جاتے، آپ رضی اللہ عنہ ان کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے برابر سلام دعا رکھتے تھے۔[۱۹] اس طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم بھی کوفہ میں منتقل کیا ہے، لہٰذا اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کہ اہل کوفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم و فقہ کی روشنی سے یکسر محروم نہیں رہے، البتہ یہ اختلاف ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کا کتنا حصہ کوفہ میں منتقل ہوا؟ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متاثر ہو کر ان کا فکری منہج ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اختیار کر لیا تھا[۲۰] جیسا کہ آپ کے شاگرد رشید امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

۱۷- ابن القیم، إعلام الموقعین، ۱: ۲۱۔

۱۸- ابن القیم، نفس مصدر، ۱۶۔

۱۹- دیکھیے: ابن سعد، الطبقات، ۶: ۷۳، بہ ذیل تذکرہ: اسود بن یزید۔

۲۰- اس بات کو ثابت کرنے کے لیے مصری عالم ڈاکٹر محمد البلتاجی نے اپنی کتاب منهج عمرؓ بن الخطاب في التشريع میں کافی حوالے دیے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، یہ تینوں آپس میں ایک دوسرے سے علمی استفسار کیا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یہ تینوں آپس میں علمی مقالمہ کرتے تھے۔[۲۱] بلکہ اس سے زیادہ واضح مثال وہ ہے جس میں شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قنوت نہیں کیا کرتے تھے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قائل ہوتے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی رائے اپنا لیتے۔[۲۲] اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طبری فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موقف کے مقابلے میں اپنی رائے اور قول ترک کر کے ان کی رائے اخذ کر لیتے تھے اور ان کی آرا سے اختلاف کم ہی کرتے تھے۔[۲۳] خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "کسی (اختلافی / اجتہادی) مسئلے میں لوگ ایک رائے اختیار کریں اور عمر رضی اللہ عنہ کوئی اور موقف اپنائیں تو میں وہی موقف اختیار کروں گا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اختیار کرتے ہیں۔"[۲۴] فکری منہاج اور مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے، البتہ بعض فروعی مسائل میں آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف بھی کیا ہے۔[۲۵] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کی کوفہ منتقلی کی ایک صورت تو خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر کیا گیا، جب کہ اس کی دوسری صورت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے وہ اصحاب تھے جن کا علم اور حدیث کی خاطر حجاز کے کبار علمائے صحابہ کے پاس آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اس کی کچھ تفصیل اگلے عنوان کے تحت آ رہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا علم کوفہ میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی صحابہ میں جو علمی مقام و مرتبہ ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حجاز میں جن صحابہ سے علم پھیلا ان میں یہ دونوں ہی سرفہرست ہیں۔[۲۶] ان دونوں حضرات کا علم بھی

۲۱- ابن القیم، **إعلام**، ۱: ۱۵۔

۲۲- ابن القیم، نفسِ مصدر، ۲۰۔

۲۳- ابن القیم، نفسِ مصدر۔

۲۴- ابن القیم، نفسِ مصدر۔

۲۵- مثلاً دیکھیے: ابو بکر عبد اللہ بن محمد ابن ابی شیبہ، **المصنف**، کتاب الوصایا، باب في رجل کانت له أخت بغيّ...، حدیث: ۳۰۹۸۶۔

۲۶- ابن القیم، مصدرِ سابق، ۱: ۲۱۔

کوفہ منتقل ہوتا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کی کوفہ منتقلی کی صورت تو پیچھے ذکر کی جا چکی ہے، جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم سے اہل کوفہ کے استفادہ کا ذکر ہے، اس بارے میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ابوعبد الرحمن السلمی اور کوفہ کے دیگر اہل علم مثلاً علقمہ، اسود، حارث التیمی، زر بن حبیش جن سے عاصم بن ابی النجود نے قرآن کی قراءت کا علم سیکھا ہے، ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سیکھا ہے، علاوہ ازیں یہی حضرات مدینہ جایا کرتے تھے اور وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی علم حاصل کرتے تھے۔(۲۷) ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ "حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب و تلامذہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی علم حاصل کرتے تھے۔"(۲۸) بلکہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تو کوفہ کے ان اکابر اصحاب علم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا ہے: "وَأَكْثَرُهُمْ أَخذ عَنْ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَعَلِيٍّ." یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علم اخذ کرنے میں یہ لوگ (اصحاب ابن مسعود) ہی سب سے آگے ہیں۔(۲۹) اس کی مزید تائید ابن حزم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: "ورحل علقمة والأسود إلى عائشة وعمر رضي الله عنهما ورحل علقمة إلى أبي الدرداء بالشام."(۳۰) (یعنی طلب علم کی خاطر علقمہ اور اسود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اور علقمہ نے شام میں ابو درداء رضی اللہ عنہ کی طرف رخت سفر باندھا ہے۔)

۲۷- ابن تیمیہ، **منہاج السنة**، ۷: ۵۲۸۔ واضح رہے کہ ان میں مسروق بن اجدع بھی شامل ہیں۔ (دیکھیے: ابن سعد، نفس مصدر، ۶: ۸۱)۔ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خصوصی طور پر علم حاصل کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ابن معین سے پوچھا گیا کہ مسروق عن عائشة آپ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے یا عروة عن عائشه؟ تو انھوں نے ان میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دی۔ (ابن حجر، **تہذیب التهذيب**، (بیروت: دار صادر)، ۱۰: ۱۰۱)۔

۲۸- ابن تیمیہ، مصدرِ سابق، ۸: ۴۸۔

۲۹- ابن القیم، مصدرِ سابق، ۱: ۲۵۔

۳۰- علی بن احمد ابن حزم، **الإحكام في أصول الأحكام** (قاہرہ: دار الحديث، ۱۴۰۴ھ)، ۲: ۲۴۹۔ نیز آپ نے اہل مدینہ کے تصور "اجماع اہل مدینہ" پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے: ولا يرون لأخذ مسروق والأسود وعلقمة عن عائشة أم المؤمنين وعن عمر وعثمان رضي الله عنهما وجها ولا معنى. (نفسِ مصدر، ۴: ۵۸۸؛ نیز اس حوالے سے مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: نفسِ مصدر، ۵: ۹۳-۹۴)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا علم کوفہ میں

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا علم بھی اہل کوفہ کے ہاں منتقل ہوا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کبار علمائے صحابہ میں سے ہیں۔ آپ بیعت عقبہ کرنے والوں میں شامل تھے اور اس کے بعد فتح مکہ تک تمام اہم مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ان کے علمی مقام و مرتبے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی زندگی میں، فتح مکہ کے بعد یمن کا قاضی متعین فرمایا اور ان کے علم کی گواہی دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم معاذ ہیں“۔[۳۱] نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”چار لوگوں سے قرآن کا علم حاصل کرو یعنی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سالم رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے“۔[۳۲] حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنے شاگرد عمرو بن میمون کو جنھوں نے حضرت معاذ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور ان سے ان کا علم اخذ کیا تھا یہ نصیحت فرمائی کہ اب وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چلے جائیں اور ان کی صحبت میں رہ کر ان سے علم حاصل کریں، چناں چہ ان کے اس شاگرد نے ایسا ہی کیا۔[۳۳] عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے یمن میں حضرت معاذ کی صحبت اختیار کی اور اس وقت تک ان سے جدا نہ ہوا جب تک شام میں انھیں قبر میں دفنا نہ دیا اور پھر ان کے بعد میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رفاقت اختیار کر لی جو سب لوگوں سے بڑے فقیہ تھے۔[۳۴] اس طرح عمرو بن میمون کے ذریعے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ اور قاضی کا علم بھی کوفہ میں منتقل ہوا اور واضح رہے کہ عمرو بن میمون نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان

۳۱- ابن سعد، **الطبقات**، ۷: ۳۸۸۔

۳۲- **صحیح البخاري**، كتاب فضائل القرآن، باب القراء من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۴۹۹۹۔

۳۳- ابن القیم، **إعلام الموقعين**، ۱: ۲۵۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنے دیگر تلامذہ کو بھی اس طرح کی نصیحت کی تھی مگر ان روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ نے چار صحابہ یعنی ابن مسعود، ابو درداء، سلمان اور عبد اللہ بن سلام کا نام لے کر کہا تھا کہ ان سے علم حاصل کرو۔ (دیکھیے: ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الشیرازی، **طبقات الفقهاء** (بیروت: دار الرائد العربي، ۱۹۷۰ء)، ۴۳)۔

۳۴- ابن القیم، مصدرِ سابق، ۳: ۳۹۷۔

بن ربیعہ، حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت ربیع بن خثیم سے بھی علم حاصل کیا، یعنی حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ سن ۷۴ یا ۷۵ ہجری میں فوت ہوئے۔(۳۵)

علاوہ ازیں کوفہ کے مشہور قاضی شریح بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے علم کو کوفہ میں منتقل کرنے کا ایک ذریعہ بنے، کیوں کہ انھوں نے بھی حضرت معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے یمن میں علم حاصل کیا تھا۔(۳۶) نیز اسود بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ، جو اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، نے بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یمن میں علم حاصل کیا تھا۔(۳۷)

حضرت زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا علم کوفہ میں

حضرت زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا شمار بھی ان اہل علم صحابہ میں ہوتا ہے، جن سے علوم نبوت آگے امت کو منتقل ہوئے ہیں۔(۳۸) ان تینوں صحابہ کا علم بھی کسی نہ کسی درجے میں کوفہ منتقل ہوا ہے، مثلاً حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، ان کے ذریعے حضرت زید کا علم

۳۵- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۱۱۷- ۱۱۸۔

۳۶- ابن تیمیہ، منهاج السنة، ۷: ۵۲۸۔

۳۷- ابن سعد، الطبقات، ۶: ۷۰۔ ابن سعد نے کچھ اور کوفی علما کا ذکر کیا ہے جنھوں نے حضرت معاذ سے حدیث کی روایت کی ہے (دیکھیے: نفسِ مصدر، ۲۱۱)۔ مصری محقق احمد امین نے یہاں ایک دل چسپ علمی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کوفی مدرسے کے اکثر اہل علم یمنی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، مثلاً علقمہ، اسود، ابراہیم یہ تینوں نخع قبیلہ سے، مسروق ہمدان قبیلہ سے اور شعبی ہمدان کی شاخ شعب سے تعلق رکھتے تھے۔ نخع اور ہمدان یمنی قبائل ہیں۔ نیز شریح بھی یمن سے تھے اور حماد بن ابی سلیمان یمن کے اشعری قبیلہ سے بسلسلہ وَلاء منسلک ہوئے تھے اور یہ سب حضرات لازمی طور پر حضرت معاذ کے علم و فکر سے متاثر ہوئے تھے کیوں کہ حضرت معاذ کو، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق حلال و حرام (احکام) کے سب سے بڑے عالم تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تھا، نیز کوفی مدرسے کے کبار علما، مثلاً اسود وغیرہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر حضرت معاذ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ (دیکھیے: محمد امین، ضحى الإسلام (مصر: ۱۹۴۳ء)، ۲: ۱۸۱- ۱۸۳)۔ اسی طرح کوفی مدرسہ کی اہم ترین شخصیت مسروق بن اَجدع (م ۶۳ھ) کا تعلق بھی یمن سے تھا، پھر بعد میں آپ کوفہ منتقل ہوئے۔ (دیکھیے: ابن القیم، إعلام الموقعين، ۸: ۱۰۸)۔

۳۸- جیسا کہ پہلے باب میں ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات نقل کی جاچکی ہے۔

عراقی اہل علم تک پہنچا۔(۳۹) اسی طرح محمد بن سیرین بھی ایک مدت تک حضرت زید کی شاگردی میں رہے ہیں اور ان کے ذریعے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کا علم عراق میں منتقل ہوا۔(۴۰)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا علم ان کے شاگرد عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ذریعے عراق میں منتقل ہوا کیوں کہ آپ ایک مدت تک عراق میں ٹھہرے تھے۔(۴۱) نیز شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی شاگردی میں وقت گزارا ہے جیسا کہ آگے اس کا ذکر آئے گا۔(۴۲) اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ خود کوفہ میں ایک مدت تک ٹھہرے ہیں اور ظاہر ہے اس مدت میں کوفہ کے اہل علم نے ضرور آپ سے استفادہ کیا ہو گا۔ نیز ابن عباس کے خصوصی شاگرد، سعید بن جبیر کے ذریعے ان کا علم عراق پہنچا۔(۴۳) اسی طرح حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، جو کوفہ کے کبار اہل علم میں سے ہیں، کے بارے میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے ۱۲۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا تھا۔(۴۴) ظاہر ہے اس فہرست میں کوفہ میں وارد ہونے والے صحابہ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

غیر کوفی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علمائے اہل کوفہ کی روایتِ حدیث

گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ کوفہ کے اہل علم، کوفہ میں وارد ہونے والے صحابہ کے علاوہ غیر کوفی کبار صحابہ کے حدیث و فقہ کے ذخیرے سے بھی کسی نہ کسی طرح آگاہ ہوتے رہتے تھے اور یہ ان کی حدیث و فقہ یا دوسرے لفظوں میں شریعت سے محبت و عقیدت کی نمایاں مثال ہے، اب یہاں اسی پہلو کو ایک اور ذریعے سے مزید واضح کیا گیا ہے اور وہ ہے: ”غیر کوفی کبار صحابہ سے علمائے اہل کوفہ کی روایتِ حدیث“، اس سلسلے میں کوفہ کے چند نامور تابعین، جنھیں حدیث و فقہ دونوں میں مہارت تامہ حاصل تھی، کا ذیل میں انتخاب کیا گیا ہے۔

۳۹- ابن کثیر، البدایة و النهایة (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۸ء)، ۹: ۲۶۶۔

۴۰- ابن حجر، تہذیب التهذیب، ۹: ۱۹۰- ۱۹۱۔ آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چھے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔

۴۱- ابن القیم، مصدرِ سابق، ۵: ۱۷۔

۴۲- اس کی تفصیل آگے عامر شعبی کے عنوان کے تحت ملاحظہ کریں۔

۴۳- اس کی تفصیل آگے سعید بن جبیر کے عنوان کے تحت ملاحظہ کریں۔

۴۴- ابن القیم، مصدرِ سابق، ۱: ۲۵۔

۱- علقمہ بن قیس نخعی (م ۶۲ھ)

آپ کبار تابعین میں سے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ممتاز شاگرد ہیں۔ علمی قد کاٹھ اور سنت نبوی کے علم و اتباع کے لحاظ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے مشابہ شمار ہوتے تھے اور ان کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ حاضر رہنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، حذیفہ، سلمان، ابو مسعود، ابو درداء، سعد، ابو موسیٰ، خباب، خالد بن ولید، سلمہ بن یزید، معقل بن سنان رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی روایت کی ہے اور آپ سے ایک جم غفیر نے روایت کی ہے۔ آپ بلا اختلاف ثقہ راوی اور کبیر فقیہ تھے۔ خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں، علقمہ بھی بہ خوبی جانتے ہیں۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ سے فرمائش کی کہ آپ انھیں سنت کی تعلیم دیں۔ فضل بن دکین فرماتے ہیں کہ آپ ۶۲ ہجری میں فوت ہوئے اور آپ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ بعض نے آپ کی تاریخ وفات ۶۳، بعض نے ۶۵، اور بعض نے ۷۲ یا ۷۳ ہجری بھی بیان کی ہے۔[۴۵]

۲- مسروق بن اَجدع (م ۶۳ھ)

آپ کا تعلق یمن سے تھا۔ آپ عہد صدیقی میں مدینہ منورہ آئے تھے۔[۴۶] آپ نے حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، خباب بن ارت، ابی بن کعب، عبد اللہ بن عمرو، عائشہ، معاذ بن جبل، مغیرہ بن شعبہ، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر، معقل بن سنان، ام سلمہ، سبیعیہ، اور عبید بن عمیر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی ہے۔ آپ جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے اور زخمی ہو کر لوٹے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا شمار ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان اصحاب میں ہوتا ہے جو لوگوں کو حدیث و سنت کا علم سکھاتے تھے۔ آپ قاضی بھی تھے اور لوگوں میں فیصلے کرتے مگر اس کی اجرت یا صلہ نہیں لیتے تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے پاس کچھ بچا کر رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ قاضی شریح بھی فقہ و قضا میں آپ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ آپ ۶۳ھ میں فوت ہوئے اور آپ ثقہ تھے اور آپ کی احادیث اچھی (صالحہ) ہیں۔[۴۷]

۴۵- تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۸۶-۹۲؛ ابن حجر، مصدرِ سابق، ۷: ۲۵۴۔

۴۶- ابن القیم، مصدرِ سابق، ۸: ۱۰۸۔

۴۷- ابن سعد، طبقات، ۶: ۷۶-۸۴؛ ابن حجر، تہذیب، ج ۱۰، بہ ذیل ترجمہ: مسروق بن اجدع۔ (ابن حجر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر گویا آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

۳- عبیدہ بن قیس سلمانی (م ۷۲ھ)

آپ نبی کریم ﷺ کی وفات سے دو سال پہلے مسلمان ہو گئے تھے مگر حضور ﷺ کی زیارت نہ کر سکے۔ آپ اپنی قوم کے سردار تھے۔ آپ کو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہجرت کا موقع ملا۔ آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قریبی اصحاب میں سے تھے۔ آپ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔[۴۸] حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ عبیدہ سلمانی ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے ان اصحاب میں سے تھے جو لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور فتویٰ دیا کرتے تھے۔[۴۹]

۴- اَسود بن یزید (م ۷۵ھ)

آپ کبار تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سلمان رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ رہنے اور ان سے بہ کثرت استفادے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے بارے میں فرماتی ہیں کہ اہل عراق میں مجھے اسود سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں کہ اسود تو اہل کوفہ کا راَس المال ہیں۔ ابو اسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسود ۷۵ ہجری میں فوت ہوئے اور آپ ثقہ تھے اور آپ کی احادیث صالح (صحیح) ہیں۔[۵۰]

سے کسب فیض کا خوب موقع ملا ہو گا اور جب آپ کوفہ میں آباد ہو گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم اہل کوفہ کو منتقل کرنے کا ذریعہ بنے۔)

۴۸- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۹۳۔

۴۹- الذہبی، تذکرۃ الحفاظ،۱: ۴۰۔

۵۰- ابن سعد، مصدرِ سابق،۶: ۷۳-۷۵۔ واضح رہے کہ اسود علقمہ کے چچا تھے،(ابن حزم،الإحکام،۵: ۹۳)۔ ابو معشر کہتے ہیں کہ اسود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اور علقمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی کوشش کرتے اور جب یہ آپس میں ملتے تو اختلاف نہیں کرتے تھے۔(ابن سعد، مصدرِ سابق،۷۳)، یعنی ان کا فکری منہاج ایک تھا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فکری منہاج ایک تھا۔

۵- سعید بن جبیر (م ۹۳ھ)

آپ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اخذ کرنے والوں میں مشہور و معروف تھے حتی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں کہا کہ میری موجودگی میں حدیث کی روایت کرو۔ ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا میں آپ کی موجودگی میں روایت کروں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا یہ اللہ کی طرف سے انعام نہیں کہ تم میری موجودگی میں روایت کرو، اگر غلطی نہ کرو تو بہت خوب ورنہ میں تمھاری اصلاح کے لیے موجود ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ شہادت بھی دی کہ تم نے مجھ سے بہت سی احادیث کا علم حاصل کیا ہے، لہٰذا جب میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرو تو دیکھ لیا کرو کہ تم کیا روایت کر رہے ہو۔[۵۱] ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے اس شاگرد پر اتنا ناز تھا کہ جعفر بن ابی مغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نابینا ہو جانے کے بعد جب اہل کوفہ آپ سے مسائل پوچھنے آئے تو آپ نے ان سے کہا کہ تم میں ابن ام دہما (یعنی سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ) موجود ہیں اور تم اس کے باجود میرے پاس آتے ہو![۵۲] اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی آپ نے خصوصی طور پر حدیث کا علم حاصل کیا تھا، جیسا کہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم کوفہ میں کسی (ایسی حدیث کے لکھنے میں) آپس میں اختلاف کرتے کہ جسے میں نے اپنے صحیفے میں لکھا ہوتا تو میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب آتا تو ان سے اس کے بارے میں پوچھ لیتا۔[۵۳] ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے میراث کے سلسلے میں کوئی سوال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھ لو کیوں کہ وہ مجھ سے زیادہ حساب جانتے ہیں۔[۵۴]

۶- عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ

آپ نے حضرت عمر، علی، عثمان، سعد، معاذ بن جبل، عبد اللہ، ابی بن کعب، ابوایوب، سہل بن حنیف، خوات بن جبیر، حذیفہ، عبد اللہ بن زید، کعب بن عجرہ، براء بن عازب، ابوذر، ابودرداء، ابوسعید خدری،

۵۱- ابن سعد، طبقات، ۶:ص۲۵۶- ۲۵۷؛ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱:۴۰۔

۵۲- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۲۵۷۔ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر کسی سائل کے جواب میں فرمایا کہ میں نے ساری حدیثیں ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے نہیں سنیں۔ (نفسِ مصدر)۔

۵۳- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۲۵۸۔

۵۴- ابن سعد، مصدرِ سابق۔

قیس بن سعد، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم، اور اپنے والد سے حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ۱۲۰ انصاری صحابہ کی زیارت کی ہے۔ کتب ستہ کے سبھی محدثین نے آپ کی روایات نقل کی ہیں۔(۵۵)

۷-عامر بن شراحبیل شعبی (م ۱۰۲/۱۰۳/۱۰۴/۱۰۵ھ)

آپ نے حضرت علیؓ، ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، عدی بن حاتمؓ، سمرہ بن جندب، عمرہ بن حریث، عبد اللہ بن یزیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ، ابن ابی اوفیؓ، جابر بن سمرہؓ، ابوجحیفہؓ، انس بن مالکؓ، عمران بن حصینؓ، بریدہ اسلمیؓ، جریر بن عبد اللہؓ، اشعث بن قیسؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حسن بن علی، عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ، نعمان بن بشیرؓ، جابر بن عبد اللہ، وہب بن خنبش طائیؓ، حبشی بن جنادہؓ، عامر بن شہرؓ، محمد بن صیفیؓ، عبد اللہ بن جعفر، فاطمہ بنت قیسؓ، عروہ بارقیؓ، عبد الرحمن بن ابزیؓ وغیرہ سے روایت کیا ہے، نیز آپ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں ابن عمرؓ کے ساتھ آٹھ یا (بعض رواۃ کے بہ قول) دس ماہ رہا ہوں۔(۵۶) خود امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔(۵۷) امام مکحول کا بیان ہے کہ میں نے سنۃ ماضیہ کا شعبی سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔(۵۸) عامر بن شراحبیل شعبی کو ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مغازی بیان کرتے سنا تو ان کے بارے میں فرمایا کہ تم تو مغازی کے بارے میں ہم سے بھی سے زیادہ جانتے ہو!(۵۹)

عاصم احول ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے کوفیوں، بصریوں اور حجازیوں کی حدیث کا امام شعبی سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔(۶۰) عاصم احول ہی کہتے ہیں کہ امام شعبی کے پاس حسن بصری سے زیادہ

۵۵- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۱۱۰؛ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۶: ۲۳۴۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا فہرست میں سے چند صحابہ سے آپ کی روایت کے عدم ثبوت پر بعض اہل علم کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

۵۶- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۲۴۷- ۲۴۸۔ الذہبی، مصدرِ سابق، ۱: ۶۳۔

۵۷- الذہبی، مصدرِ سابق، ۱: ۶۴۔

۵۸- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۲۵۴۔

۵۹- الذہبی، مصدرِ سابق، ۱: ۶۴۔

۶۰- الذہبی، مصدرِ سابق، ۱: ۶۶۔ واضح رہے کہ عاصم بن سلیمان احول تابعی اور ثقہ محدث تھے۔ (دیکھیے: ابن حجر، تہذیب، ۵: ۳۸) اور اصبہانی نے حلیۃ الأولیاء میں روایت کیا ہے کہ عاصم فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ، بصرہ،

حدیثیں تھیں اور ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے آج تک حدیث کو لکھ کر یاد نہیں کیا۔ مجھے کوئی آدمی ایک مرتبہ حدیث بیان کرتا تو وہ مجھے یاد ہو جاتی اور مجھے یہ پسند نہیں ہوتا تھا کہ وہی حدیث پھر مجھ پر دہرائی جائے۔ میں اب اس علم کا ایک حصہ بھول گیا ہوں، اگر اتنا حصہ کسی کو یاد ہو تو وہ عالم بن جائے۔(۶۱) امام عجلی فرماتے ہیں کہ شعبی کی مراسیل صحیح ہیں، اس لیے کہ وہ صحیح روایت ہی میں ارسال کرتے ہیں۔(۶۲) محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میں کوفہ آیا تو دیکھا کہ شعبی کے تلامذہ کا بہت بڑا حلقہ ہے جب کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی صحابہ بھی وہاں کثیر تعداد میں موجود تھے۔(۶۳) ابن شبرمہ کہتے کہ شعبی بیان کرتے ہیں کہ بیس سال گزر گئے ہیں اور میں نے کسی شخص سے ایسی حدیث اس عرصے میں نہیں سنی جو مجھے پہلے سے معلوم نہ تھی۔(۶۴) معلوم ہوا کہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ عراق میں اپنے وقت کے ایک بڑے محدث تھے۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۵/۹۶ھ)

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد میں کوفہ کے مشہور و معروف فقیہ تھے اور ایک مشہور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مایۂ ناز شاگرد اور تابعی کبیر یعنی علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ آپ کے چچا تھے اور دوسرے مشہور تابعی اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ اور عبد الرحمن بن یزید دونوں آپ کے ماموں تھے۔ آپ بچپن ہی

حجاز اور باقی آفاق کی حدیثوں کا شعبی سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ (ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی، **حلیة الأولیاء** (بیروت: دار الکتاب العربي، ۱۴۰۵ھ)، ۴:۳۱۰) اور ظاہر ہے امام شعبی طلب علم میں کوفہ سے باہر نکلے ہوں گے تبھی تو ان کے پاس کوفہ اور بصرہ کے علاوہ حجاز کی حدیثوں کا بھی اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ عاصم احول جیسے محدث نے ان کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی۔

۶۱- الذہبی، مصدرِ سابق، ۶۶۔

۶۲- الذہبی، مصدرِ سابق، ۱: ۶۳۔

۶۳- نفسِ مصدر، ۱:۶۵۔ شعبی کہتے ہیں کہ پہلے صالحین نے روایات کثرت سے بیان نہیں کیں، اگر مجھے بھی پہلے سے اس سلسلے میں وہ بات معلوم ہوتی جو بعد میں ہوئی، تو میں بھی صرف وہی حدیث بیان کرتا جس پر اہل الحدیث کا اتفاق ہوتا۔ (نفسِ مصدر)۔

۶۴- نفسِ مصدر، ۶۸۔

سے ان کی تربیت میں رہے اور انھی کے ساتھ صغر سنی میں حج کے لیے گئے۔[۶۵] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کے سبب تابعی صغیر بننے کی سعادت حاصل کی۔[۶۶] آپ کے مشہور مشائخ میں علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ سلمانی، عبدالرحمن بن یزید، شریح، زر بن حبیش، عبیدہ بن نضلہ، ھنی بن نویرہ، عابس بن ربیعہ، تمیم بن حذلم، سہم بن منجاب اور عبد اللہ بن ضرار اسدی وغیرہ شامل ہیں۔[۶۷] اسماعیل بن ابی خالد بیان کرتے ہیں کہ شعبی، ابو الضحیٰ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے اصحاب آپس میں حدیث کا مذاکرہ کرتے اور جب ان کے پاس کوئی فتویٰ (مسئلہ) پیش ہوتا جس کے بارے میں انھیں علم نہ ہوتا تو وہ سب ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھنا شروع ہو جاتے۔[۶۸] آپ کے فقیہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ تو آپ کو (اپنے وقت میں) بصرہ، کوفہ، شام اور حجاز کا سب سے بڑا فقیہ تسلیم کرتے تھے۔[۶۹] آپ کو علم حدیث میں بھی محدثانہ مہارت حاصل تھی، چناں چہ مشہور محدث اور آپ کے شاگرد سلیمان اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ إبراهيم صير في الحديث، یعنی حدیث کے ماہر و نقاد تھے، جب میں اپنے اصحاب میں سے کسی سے کوئی حدیث سنتا تو (اس کی تحقیق کے لیے) ابراہیم نخعی کے سامنے اسے پیش کرتا۔[۷۰] اعمش ہی بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب بھی ابراہیم نخعی کے سامنے کوئی حدیث پڑھی تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس اس بارے میں پہلے ہی سے علم ہے۔[۷۱] اعمش یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ میں حدیث سنتا اور اس میں سے جو قابل

۶۵- اس لیے یہ بعید از امکان نہیں کہ چھوٹی عمر ہی میں آپ نے کوفی مکتب فکر کے منہج استدلال کے اصول و ضوابط کو سمجھ لیا ہو گا اور علمی و فقہی گھرانے میں آنکھ کھولنے کے سبب جلد ہی مروجہ علوم میں دسترس حاصل کر لی ہو گی۔ اسی لیے علمی پختگی کے دور میں اپنے معاصرین کے مقابلہ میں آپ کی شخصیت برتر نظر آتی ہے۔

۶۶- ابن سعد، **الطبقات**، ۶: ۲۷۱؛ الذہبی، مصدرِ سابق، ۱: ۵۹؛ ابن حجر، مصدرِ سابق، ۱: ۱۵۵۔

۶۷- الاصبہانی، مصدرِ سابق، ۴: ۲۳۳؛ ابن حجر، مصدرِ سابق، ۱: ۱۵۵۔

۶۸- الاصبہانی، مصدرِ سابق، ۴: ۲۲۱۔

۶۹- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۲۸۴؛ الاصبہانی، مصدرِ سابق، ۴: ۲۲۰؛ الذہبی، مصدرِ سابق، ۱: ۵۹۔

۷۰- الاصبہانی، **حلية الأولياء**، ۴: ۲۲۰۔

۷۱- نفس مصدر و صفحہ نیز دیکھیے: ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۲۷۱۔

اعتبار ہوتی، وہ لے لیتا اور جو قابل اعتماد نہ ہوتیں، انھیں چھوڑ دیتا تھا۔[۷۲] نیز آپ فرماتے ہیں کہ حدیث کا کچھ مخصوص حصہ بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[۷۳] نیز فرماتے ہیں کہ کوئی راے اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک اس کا استناد روایت سے نہ ہو اور کوئی روایت اس وقت تک کام کی نہیں ہو سکتی جب تک اس سے کوئی راے اخذ نہ کی جائے۔[۷۴]

آپ حدیث بالمعنی روایت کرتے تھے۔[۷۵] ایک مرتبہ کسی مسئلے میں ابوہاشم نے نخعی سے کہا کہ آپ کے پاس اس مسئلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں پہنچی جو آپ ہمیں بیان کریں؟ تو آپ نے کہا، کیوں نہیں، البتہ میں جب کہتا ہوں کہ عمر نے کہا، ابن مسعود نے کہا، علقمہ نے کہا، اسود نے کہا تو یہ میرے لیے (قال رسول اللہ ﷺ) کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے۔[۷۶] آپ بعض اوقات حذف سند سے بھی روایت کرتے تھے، جیسا کہ اعمش کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے کہا کہ جب آپ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو اس کی سند بھی بیان کیا کریں تو آپ نے کہا کہ جب میں کہوں: قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ روایت ابن مسعود کے ایک سے زیادہ اصحاب سے سنی ہے اور جب میں نے کسی ایک سے سنی ہو تو پھر اس کا نام لے کر روایت کرتا ہوں۔[۷۷] یہی وجہ ہے کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراسیل کو اکثر و بیشتر اہل علم نے حجت تسلیم کیا ہے، جیسا کہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراسیل مجھے شعبی کی مراسیل سے زیادہ محبوب ہیں۔[۷۸] آپ کم و بیش پچاس سال کی عمر میں سن ۹۵ یا ۹۶ ہجری کو فوت ہوئے۔[۷۹] مغیرہ کہتے ہیں کہ جب شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو خبر پہنچی کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے ہیں تو انھوں نے (حیرانی سے) کہا کیا وہ

۷۲- الاصبہانی، مصدرِ سابق، ۴: ۲۲۵۔

۷۳- نفسِ مصدر و صفحہ۔

۷۴- نفسِ مصدر و صفحہ۔

۷۵- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۲۷۲۔

۷۶- ابن سعد، مصدرِ سابق، ۲۷۲۔

۷۷- ایضاً۔ ابن حجر، مصدرِ سابق، ۱: ۱۵۵۔

۷۸- ابن حجر، مصدرِ سابق، ۱: ۱۵۵۔

۷۹- الذہبی، مصدرِ سابق، ۱: ۵۹؛ ابن سعد، مصدرِ سابق، ۶: ۲۸۴۔

وفات پا گئے ہیں؟ کہا گیا، ہاں،(۸۰) تو انھوں نے کہا، کاش میں علم کا ماتم کروں، ان کے بعد ان جیسا کوئی باقی نہیں بچا۔ میں تمھیں بتاتا ہوں وہ کیسے؟ ابراہیم ایک فقہی گھرانے میں پیدا ہوئے اور پوری طرح فقہ سیکھی، پھر وہ ہمارے ساتھ بیٹھتے رہے اور ہماری عمدہ عمدہ حدیثیں اپنے گھرانے کی فقہ کے ساتھ ملا لے گئے۔ اب تم ہی بتاؤ ان کے مقام و مرتبے کو کون پہنچ سکتا ہے؟! لیکن پھر بھی اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ سعید بن جبیر کو اپنے آپ پر ترجیح دیا کرتے تھے۔(۸۱)

خلاصہ و تجزیہ

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے اہل علم کوفہ سے باہر آباد ہونے والے اکابر علمائے صحابہ کے علم بالخصوص ذخیرۂ حدیث سے یکسر محروم نہیں رہے، بلکہ انھوں نے ممکنہ حد تک ان صحابہ سے بھی علم حاصل کیا ہے، اس لیے بلا مبالغہ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ خیر القرون میں کوفہ کا مرکز کوئی معمولی مرکز نہیں تھا۔(۸۲) علاوہ ازیں یہ علمی روایت کوفہ کے تابعین تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کا سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہا، اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کے دور میں احکامی احادیث کا بڑا ذخیرہ کوفہ اور اس کے گرد و نواح میں موجود تھا(۸۳) اور یہ حضرات اس ذخیرہ حدیث سے پوری طرح آگاہ تھے، گو کہ انھوں نے

۸۰- انہوں نے تعجب سے سے اس لیے پوچھا کیونکہ نخعی کی وفات رات کو ہوئی اور حجاج کے ڈر سے انھیں رات ہی کو دفن کیا گیا جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کی موت کی اطلاع بروقت نہ ہو سکی۔ (دیکھیے: عبد المجید، **الاتجاهات**، ۱: ۵۰)۔

۸۱- ابن سعد، **الطبقات**، ۶: ۲۲۱۔ اسی طرح عبد الملک بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ تم میں ابراہیم نخعی موجود ہے پھر تم مجھ سے مسائل کیوں پوچھتے ہو؟!۔ نفس مصدر و صفحہ۔

۸۲- بلکہ بعض اہل علم اسے مدینہ کے مکتب فکر سے بھی برتر قرار دیتے ہیں (جیسا کہ مصری محقق عبد المجید نے ابن حزم کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے، دیکھیے: عبد المجید، مصدر سابق، ۱: ۳۹)۔

۸۳- اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس دور میں کچھ اور ایسے محدثین بھی عراق میں پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے حجاز اور عراق کی احادیث کا ایک بڑا حصہ محفوظ بھی کیا اور اسے روایت بھی کیا، مثلاً جیسے قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری (م۱۱۷ھ)، اعمش بن مھران اعمش کوفی (۶۱-۱۴۸ھ)، شعبہ بن حجاج بصری (۸۵-۱۶۰ھ)، سفیان بن سعید ثوری کوفی (۹۵-۱۶۱م)، عبد اللہ بن مبارک کوفی (۱۱۸-۱۸۱ھ)، سفیان بن عیینہ کوفی (۱۰۷-۱۹۸)، و کیع بن جراح

کوفی (۱۲۹۔۱۹۷)، وغیرہ۔ اور یہ وہ مایۂ ناز محدثین ہیں جن کے ساتھ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کا کسی نہ کسی درجہ میں تعلق رہا ہے، مثلاً:

۱. امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قتادہ سدوسی کے علمی حلقہ میں جانا اور ان سے سوالات کرنا۔ (دیکھیے: البلتاجی، **مناہج التشریع**، ۱: ۷۵)۔

۲. اسی طرح اعمش اور شعبہ سے آپ کے مختلف علمی مذاکرے بھی اہل علم نے نقل کیے ہیں۔ (مثلاً دیکھیے: ظفر احمد عثمانی، **قواعد في علوم الحدیث** (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، س ن)، ۳۲۵، ۳۳۰؛ بلتاجی، مصدرِ سابق، ۱:۷۷؛ عبد المجید، مصدرِ سابق، ۱: ۴۵؛ محمد علی صدیقی، **امام اعظم اور علم الحدیث** (سیالکوٹ: انجمن دار العلوم الشہابیہ، ۱۹۸۱ء)، ۵۰۳)۔

۳. سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور سفیان بن عیینہ وہ ہیں جن سے آپ کے تلامذہ بالخصوص ابو یوسف اور امام محمد نے اپنی کتب میں احادیث کی روایت کی ہے۔ (مثلاً دیکھیے: ابن سعد، مصدرِ سابق، ۷:۳۳۷؛ الرازی، **الجرح و التعدیل**، ۷: ۲۲۷؛ خطیب، **تاریخ بغداد**، ۲: ۱۷۲، ابن حجر، **لسان**، ۷:۶۰)۔ علاوہ ازیں ثوری اور ابن مبارک امام ابو حنیفہ کے حلقہ میں بیٹھتے تھے اور آپ کی فقہ سے غالباً متاثر بھی تھے۔ (مثلاً دیکھیے: یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر، **الانتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء** (بیروت: مکتبة القرشي / دار الکتب العلمیة، س، ن)، ۱۲۸)۔ اور اس طرح جو احادیث ان حضرات کے علم میں ہوتیں وہ بھی ظاہر ہے زیر بحث آتی ہوں گی۔ سفیان ثوری اور ابن مبارک کو بعض حنفی محققین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نہ صرف تلامذہ میں بلکہ ان کی فقہ کو ان کے شاگردوں سے حاصل کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں (دیکھیے: ظفر احمد عثمانی، **إعلاء السنن** (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، س ن)، ۲۱:۹۷؛ وہی مصنف، **قواعد في علوم الحدیث**، ۳۲۹؛ محمد علی صدیقی، مصدرِ سابق، ۴۰۲، ۴۴۷) جب کہ بعض محققین سفیان ثوری کو مجتہد مطلق قرار دیتے ہیں۔ (دیکھیے: البلتاجی، مصدرِ سابق، ۲: ۴۷۳-۵۰۱)۔

۴. اور وکیع وہ محدث ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیث سنی بھی ہے اور وہ آپ کی فقہ سے اتنے متاثر تھے کہ آپ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے (ذہبی، **تذکرۃ**، ۱: ۲۲۳-۲۲۴)۔

حدیث کی اس طرح روایت نہیں کی جس طرح امام مالک اور بعد کے محدثین نے کی ہے۔ لہٰذا یہ راے کہ ''اہل کوفہ اس لیے قیاس و راے کو زیادہ بروئے کار لائے کہ ان کے پاس حدیث کا ذخیرہ کم تھا'' (۸۴) درست نہیں ہے۔ گذشتہ صفحات میں دی گئی تفصیلات کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کسی طرح بھی اس راے سے اتفاق نہیں کرتا۔ (۸۵)

۸۴- جیسا کہ ابن خلدون نے مقدمہ میں، شاہ ولی اللہ نے الحجۃ میں، علامہ اقبال نے اپنے **خطبات** میں اور بعض دیگر اہل علم نے لکھا ہے۔

۸۵- تاہم اس کی ایک صورت درست مانی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ حدیث کا بڑا ذخیرہ اہل کوفہ کی نگاہ میں تھا، مگر انھوں نے اس میں سے صرف اسی قدر احادیث سے استدلال کیا جو روایات کی صحت و استناد کے بارے میں ان کے قائم کردہ اصولوں پر پورا اترتی تھیں، اس لیے زیر نظر موضوع کے حوالے سے بحث اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ حنفی مکتب فکر کے حدیث کے ردّ و قبول کے اصول ہیں جن پر امام شافعی نے سب سے پہلے بھرپور طور پر نقد کیا ہے اور محدثین ان کے نقد سے متاثر ہوئے ہیں۔